محرم الحرام
اور واقعہ کربلا
چند تاریخی و شرعی حقائق
تالیف
حافظ عبدالحمید گوندل
مقدمہ
فضیلۃ الشیخ علامہ عبداللہ ناصر رحمانی حفظہ اللہ
حرمین پبلی کیشنز کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نام کتاب: محرم الحرام اور واقعہ کربلا

(چند تاریخی و شرعی حقائق)

تالیف: حافظ عبدالحمید گوندل

تقریظ و مقدمہ: فضیلۃ الشیخ علامہ عبداللہ ناصر رحمانی حفظہ اللہ

اشاعت دوئم: محرم الحرام 1432 ہجری

ناشر

حرمین پبلی کیشنز کراچی

Mob:0333-3030804

تقریظ

(طبع اول)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ والصلاۃ والسلام علی رسول اللہ و بعد!

رسالہ (**محرم الحرام اور واقعہ کربلا**) نظر سے گزرا اور چیدہ چیدہ مقامات سے پڑھنے کا موقع ملا، رسالے کا اسلوب نہایت شستہ اور علمی ہے، ہر بات دلیل سے کہی گئی ہے اور یہی سلف صالحین کا انداز تھا، بالخصوص امیر یزید کے تعلق سے اُمت کے مختلف گروہ جس افراط و تفریط یا غلو و تقصیر کا شکار ہیں، انہیں نہایت اخلاص سے اچھی نصیحت کی گئی ہے۔ منہج وسط و اعتدال ہی در حقیقت اس اُمت وسط کا تخصص و امتیاز ہے: وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ (البقرۃ:۱۴۳)

محرم الحرام اسلامی تقویم کا پہلا مہینہ ہے، اس سے ہجری سال کا آغاز ہوتا ہے، کیا خوب جب کہ یہ اُمت اس آغاز کو تمسک بالسنہ کی قوی اساس سے شستہ کرلے تاکہ مستقبل کے سفر میں اللہ تعالیٰ کی رضا و توفیق شامل حال رہے۔

اللہ تعالیٰ رسالے کے مؤلف ہمارے لائق شاگرد حافظ عبدالحمید گوندل حفظہ اللہ کو اس جہد صواب پر اجر جزیل عطا فرمائے اور اس سسکتی، تڑپتی انسانیت کو رجوع الی اللہ والسنہ کی توفیق عطا فرمائے اور ہمارے عقیدے کو توحید خالص کے نور سے منور فرمائے اور ہمیں اخلاص کی دولت سے مالا مال فرمائے۔

وصلی اللہ علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ واھل طاعتہ اجمعین

کتبہ/

عبداللہ ناصر الرحمانی

مقدمہ

از: فضیلۃ الشیخ علامہ عبداللہ ناصر رحمانی حفظہ اللہ

الحمد للہ والصلوٰۃ والسلام علی رسول اللہ ۔امابعد

ہمارا اسلامی کلنڈر ماہِ محرم سے شروع ہوتا ہے،اس کلنڈر کی وضع وترتیب،امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زریں کارناموں میں سے ایک بڑا روشن اور عظیم کارنامہ ہے۔

امیر المؤمنین نے اسلامی تقویم کی بنیاد ایک بڑے تاریخی واقعہ پر قائم فرمائی ہے،وہ عظیم واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمانا ہے،ہجرت کے اس عمل سے اللہ تعالیٰ نے دو جماعتوں کا امتحان لیا تھا:

① اہل مکہ،جنہیں اسلام کی خاطر ترکِ وطن اور ترکِ اہل ومال جیسی بڑی مشکل ابتلاء میں ڈالا ،اور وہ اس میں پوری طرح سرخرو ہوئے۔

② اہل مدینہ،جن پر مہاجرین کی نصرت کی ذمہ داری ڈالی،اور وہ بھی اس آزمائش میں پوری طرح سرخرو ہوئے۔

اللہ تعالیٰ نے ان دونوں جماعتوں کا اپنی کتاب مقدس میں خوب تزکیہ فرمایا:

﴿ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ وَالَّذِيْنَ آوَوْا وَّنَصَرُوْا أُولٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَّهُم مَّغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴾ (الانفال:۷۴)

''اور جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا،اور وہ لوگ جنہوں نے (ان ہجرت کرنے والوں کو) جگہ دی اور ان کی نصرت کا حق ادا کردیا (یہ دونوں گروہ) سچے اور حقیقی مؤمن ہیں،ان کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مغفرت اور پاکیزہ رزق کے وعدے ہیں''

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے ان دونوں جماعتوں کیلئے اپنی مطلق رضاء اور خوشنودی کا اعلان فرمادیا:

﴿ وَالسَّابِقُوْنَ الْأَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْأَنصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُم بِإِحْسَانٍ رَّضِيَ اللهُ

عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِیْ تَحْتَهَا الْاَنْهَارُ خَالِدِیْنَ فِیْهَا اَبَداً ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴾ (التوبة:۱۰۰)

''یہ سابقین اولین، مہاجر وانصار (صحابہ) اور جنہوں نے اچھے طریقے سے ان کے منہج کی اتباع کی، ان سب سے اللہ تعالیٰ راضی ہوگیا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوگئے، اور ان کیلئے جنت کے باغات ہیں، جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، یہ بہت بڑی کامیابی ہے''

اللہ رب العزت نے مہاجرین وانصار کے اس عمل اور عظیم ملاپ کی بہت تعریف فرمائی؛ کیونکہ یہ اسلام کے غلبہ کا ایک سنگ میل تھا، چنانچہ ہجرت ونصرت کے اس عظیم الشان عمل کے بعد جب ان دونوں جماعتوں نے عقیدۃً ومنہجاً وعملاً، رسول اللہ ﷺ کی اتباع کے اصلِ عظیم کو اپنالیا (جو کہ جہاد فی سبیل اللہ کی اصل اساس ہے) تو اللہ رب العزت نے جہاد فرض فرمادیا۔

اس کے بعد تاریخ شاہد ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اجتماعی جہادی جدوجہد کے نتیجہ میں کس طرح دعوت کا راستہ ہموار ہوا اور قبیلوں اور قوموں نے جوق در جوق اسلام قبول کیا، بے شمار فتوحات عمل میں آئیں، اور اسلام ہر لحاظ سے مستحکم ہوگیا۔

ان تمام مآثر اور امجاد کی بنیاد واقعہ ہجرت ہے، جس پر امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مشاورت سے اسلامی کلنڈر کی بنیاد رکھی، تا کہ درسِ ہجرت اور اس کے بعد پیش آمدہ تمام کارنامے ہر وقت ہمارے مدِ نظر رہیں، اور رسول اللہ ﷺ اور ان کی پاکیزہ جماعت کی مسلسل جہود ومساعی ہمارے لئے ایک قابلِ عمل مثال کے طور پہ مشعلِ راہ رہیں، اور ہم تمام تر وثوق اور یقین کے ساتھ اس حقیقت کو خود بھی قبول کریں اور اس کے داعی بھی بنیں کہ کسی بھی مقام پر اصلاح اور سچے انقلاب کا راستہ انہی اصول وخطوط پر قائم ہے، جس پر اصحابِ رسول ﷺ چلے، بقول امام مالک رحمہ اللہ "لَنْ یُصْلِحَ آخِرَ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اِلَّا مَا اَصْلَحَ اَوَّلَهَا" یعنی اس امت کے ہر دور کو وہی چیز سنوار سکتی ہے جس چیز نے اس امت کے پہلے دور کو سنوارا۔ (اشارہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے منہج کی طرف ہے)

نبی علیہ السلام کی حدیث "مَا اَنَا عَلَیْهِ وَاَصْحَابِیْ" امام مالک رحمہ اللہ کے اس قول کی روح اور اساس ہے۔

امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے سفرِ ہجرت پہ اسلامی کلنڈر کی بنیاد قائم کر کے ایک اور اہم

اعتقادی مسئلہ کی ترجمانی بھی فرمائی ہے، اور وہ مسئلہ، نصاریٰ کی مخالفت ہے؛ کیونکہ نصاریٰ نے اپنے کلنڈر کی بنیاد عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش پر رکھی ہے، اگر ہمارا کلنڈر ہمارے پیارے پیغمبر محمد ﷺ کی پیدائش پر قائم ہوتا تو اس میں نصاریٰ کے عمل کی مشابہت کا پہلو ہوتا، جبکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: "خالفوا الیهود والنصاریٰ ...... الحدیث" یعنی (ہر کام میں) یہود و نصاریٰ کی مخالفت کرو۔

تو گویا امیر المؤمنین کا یہ عمل یہود و نصاریٰ کے منہج سے نفرت کا عکاس ہے۔ فرضی اللہ عنہ و أرضاہ۔

ہجرت کا واقعہ گو ربیع الاول کے مہینے میں پیش آیا، مگر خلیفۃ الرسول رضی اللہ عنہ نے صحابہ کی مشاورت سے، سال کا آغاز محرم کے مہینے سے کیا ہے، اس میں بھی اسلام کا ایک اہم پیغام عام کرنا مقصود ہے۔

محرم کا مہینہ، حرمت کا مہینہ ہے، جس میں ہماری شریعت نے جنگ وجدال کو حرام قرار دیا ہے، تو گویا اسلام کس قدر امن وسلامتی کا داعی ہے کہ اس کی تقویم کی رو سے، سال کا آغاز حرمت والے مہینے سے ہو رہا ہے، صلح وسلامتی اور امن وآشتی سے ہو رہا ہے، جب کہ ہماری تقویم کی رو سے ہمارے سال کا آخری مہینہ ذوالحج بھی حرمت والا مہینہ ہے، گویا ہمارے سال کا آخر بھی امن وسلامتی پر قائم ہے، اور ہماری تقویم کی رو سے ہمارے سال کا وسط کا مہینہ رجب بھی حرمت والا مہینہ ہے۔ اس سے بڑا صلح وسلامتی کا پیغام کیا ہو سکتا ہے۔ یہ سب امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کی بصیرت اور دقتِ نظر کا مظہر اُتم ہے۔

یہاں ان لوگوں پر افسوس کرنے کو دل چاہ رہا ہے جو حرمت والے مہینوں کی بھی پرواہ نہیں کرتے اور بم دھماکوں یا خودکش حملوں کی صورت میں تخریب کاری اور فتنہ انگیزی کے مذموم منہج پر مستقل چل رہے ہیں، انہیں اس حقیقت کا شاید ادراک ہی نہیں ہے کہ حرمت والے مہینوں کا احترام تو دورِ جاہلیت میں بھی ہوتا تھا، اور یہ احترام اللہ رب العزت نے اس وقت سے ان مہینوں کو عطا فرما دیا ہے جب آسمانوں وزمینوں کی تخلیق کے بعد لیل ونہار کا سلسلہ شروع کیا تھا:

﴿إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِندَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْراً فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ أَنفُسَكُمْ ......الآية﴾ (التوبة:٣٦)

ترجمہ: مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک کتاب اللہ میں بارہ کی ہے، اسی دن سے جب سے آسمان وزمین کو اس نے پیدا کیا ہے ان میں سے چار حرمت وادب کے ہیں۔ یہی درست دین ہے، تم ان

مہینوں میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو"۔

صحیح بخاری میں ہے:

عن ابی بکرۃ ص عن النبی ﷺ قال: ان الزمان قداستدار کھیئتہ یوم خلق اللہ السموات والأرض ، السنة اثنا عشر شھرا، منھا أربعة حرم ......الحدیث" (متفق علیه)

یعنی ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق ہی سے زمانہ ایک ہی ہیئت سے گھوم رہا ہے یعنی سال کے بارہ مہینے ہیں، جن میں سے چار حرمت والے مہینے ہیں...الحدیث"

ہم اپنی اس متواضع تحریر کے ذریعے اپنے تمام ہم وطنوں سے باہمی صلح وصفائی اور پیار ومحبت کی فضاء قائم کرنے اور رکھنے کی دردمندانہ اپیل کرتے ہیں اور خاص طور پہ حرمت والے مہینوں کے تعلق سے شرعی ہدایات پر غور وخوض کی دعوت دیتے ہیں۔

ماہِ محرم اور ھمارا کردار

شریعت مطہرہ سے محرم الحرام کے حوالے سے کسی مخصوص یا منفرد عمل کا ثبوت نہیں ملتا، جو چند ایک امور ثابت ہیں انہیں اختصار سے درج کیا جاتا ہے:

① محرم کی فضیلت وعظمت، ایک تو گذشتہ پیش کئے گئے نصوص سے یہ سامنے آتی ہے کہ یہ حرمت والا مہینہ ہے۔

② محرم کی فضیلت کے تعلق سے ایک اور حدیث پیش خدمت ہے:

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ " أفضل الصیام بعد رمضان ،شھر اللہ المحرم ، وأفضل الصلاۃ بعد الفریضة ،صلاۃ اللیل" (صحیح مسلم،الرقم:۱۱۶۳)

ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "رمضان کے بعد سب سے افضل روزہ اللہ تعالٰی کے مہینے محرم کا ہے اور فرض نمازوں کے بعد سب سے افضل نماز قیام اللیل ہے"

اس حدیث میں ماہِ محرم کی دو فضیلتیں وارد ہیں: ایک اس مہینے کو "شھر اللہ" یعنی اللہ تعالٰی کا مہینہ قرار دیا گیا ہے، یہ نسبت اس مہینے کی تعظیم وتشریف کی بہت بڑی دلیل ہے، دوسرا اس مہینے کے روزے کو

رمضان کے روزوں کے بعد سب سے افضل قرار دیا گیا ہے۔

واضح ہو کہ اس روزے سے مراد محرم کی ۱۰ تاریخ کا روزہ ہے، جس کی اہمیت وتاکید شریعت سے ثابت ہے، دورِ جاہلیت میں کفارِ قریش بھی اس روزے کا اہتمام کیا کرتے تھے۔(بخاری ومسلم) جب رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہود کو اس دن کا روزہ رکھتے ہوئے دیکھا، بلکہ یہودی اس دن کو بطورِ عید منایا کرتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے یہودیوں سے اس اہتمام کا سبب پوچھا تو انہوں نے درج ذیل جواب دیا :"هذا يوم نجى الله بني اسرائيل من عدوهم فصامه موسىٰ " یعنی" یہ وہ عظیم دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو فرعون کے چنگل سے آزادی دلائی تھی تو موسیٰ علیہ السلام نے اظہارِ شکر کیلئے روزہ رکھا۔" تب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:"فأنا أحق بموسىٰ منكم" تمہاری بنسبت ہم موسیٰ علیہ السلام سے تعلق کے زیادہ حقدار ہیں(کیونکہ ہم موسیٰ علیہ السلام کی طرح منہجِ توحید واتباع پر قائم ہیں، جبکہ تم یہودیوں نے شرک، تلبیس، کتمانِ حق، تحریف اور دیگر طرح طرح کے مفاسد سے ان کے منہج کی دھجیاں بکھیر دی ہیں۔ والعیاذ باللہ)

تو رسول اللہ ﷺ نے محرم کی ۱۰ تاریخ کا روزہ رکھا اور صحابہ کرام کو بھی رکھنے کا حکم دیا۔(بخاری ومسلم)

بخاری ومسلم کی ایک اور حدیث میں بصیغۂ امر نبی علیہ السلام کا یہ فرمان منقول ہے:"فصوموه أنتم" یعنی تم یہ روزہ ضرور رکھو۔

چنانچہ ابتداءِ امر میں عاشوراء کا روزہ فرض تھا لیکن رمضان کے روزوں کی فرضیت کے بعد اس کی فرضیت کو ختم کر دیا گیا البتہ اس کا استحباب باقی ہے۔

صحیح بخاری ومسلم میں ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے منقول ایک حدیث میں ہے:

" فلما قدم المدينة صامه وأمر بصيامه ،فلما فرض رمضان ترك يوم عاشوراء فمن شاء صامه ومن شاء تركه"

یعنی" جب رسول اللہ ﷺ ہجرت کے بعد مدینہ تشریف لائے، آپ ﷺ نے محرم کا روزہ رکھا اور صحابہ کو رکھنے کا حکم دیا، پھر جب رمضان کے روزوں کی فرضیت نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے محرم کے

روزے کی فرضیت ترک فرمادی، پس جو چاہے رکھ لے اور جو چاہے چھوڑ دے۔"

صحیح بخاری و مسلم کی ایک اور روایت ہے:

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے محرم کی دس تاریخ کو منبر پہ خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے فرمایا: اے مدینہ والو! تمہارے علماء کہاں ہیں! میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ یہ عاشوراء کا دن ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کا روزہ فرض نہیں کیا، اور میرا روزہ ہے، تم میں سے جو چاہے روزہ رکھ لے اور جو چاہے چھوڑ دے۔

ایک حدیث میں اس روزہ کی فضیلت وارد ہے:

عن ابی قتادة ص عن النبی ﷺ قال: ثلاث من کل شهر ورمضان الی رمضان فهذا صیام الدهر کله، وصیام یوم عرفة احتسب علی الله ان یکفر السنة التی قبله والسنة التی بعده ،وصیام یوم عاشوراء احتسب علی الله ان یکفر السنة التی قبله.

یعنی: "ہر مہینے کی تین روزے (ایام بیض) اور ایک رمضان سے دوسرے رمضان تک، پورے زمانے کے روزے ہیں، اور یوم عرفہ کے روزے کا ثواب یہ ہے کہ اس سے گذشتہ اور آئندہ دو سالوں کے گناہ معاف ہوتے ہیں، جبکہ یوم عاشوراء کا روزہ سال گذشتہ کے گناہوں کا کفارہ ہے"

محرم کے بارے میں یھودیوں کی مخالفت

چونکہ دس محرم کو یہودی بھی روزہ رکھا کرتے تھے، اور ہماری شریعت مطہرہ کا منہج اس غیرت پر استوار ہے کہ یہود و نصاریٰ کے ہر عمل کی مخالفت کی جائے یہ منہج ان سے اظہار نفرت بھی ہے اور عقیدہ الولاء والبراء کی ترجمانی بھی ہے، اس نکتہ کے پیشِ نظر رسول اللہ ﷺ نے دس محرم کے روزے کے حوالہ سے یہود کی مخالفت کا فیصلہ فرمایا:

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال: حین صام رسول الله ﷺ یوم عاشوراء وامر بصیامه ،قالوا یارسول الله یوم تعظمه الیهود والنصاری فقال رسول الله ﷺ "فاذا کان العام المقبل ان شاء الله صمنا الیوم التاسع"

یعنی: عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، جب رسول اللہ ﷺ نے دس محرم کو روزہ رکھا اور صحابہؓ

کرام کو بھی رکھنے کا حکم دیا تو صحابہ نے عرض کیا: اس دن کی تو یہود و نصاری بھی تعظیم کرتے ہیں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: آئندہ سال ہم ان شاء اللہ ۹ محرم کا روزہ بھی رکھیں گے......"

ایک حدیث میں یوں بھی وارد ہے:

" لئن بقيت الى قابل لاصومن التاسع"(صحيح مسلم ،مسند احمد وغيره)

یعنی: "اگر آئندہ سال زندہ رہا تو ۹ محرم کا روزہ رکھوں گا"

عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں: لیکن آئندہ سال آنے سے قبل رسول اللہ ﷺ انتقال فرما گئے۔

واضح ہو کہ اس حدیث سے بعض لوگوں نے یہ مطلب اخذ کیا ہے کہ محرم کا روزہ ۱۰ کی بجائے، ۹ محرم کو رکھا جائے۔ مگر اس مسئلہ میں وارد تمام احادیث و آثار کو جمع کیا جائے تو یہ مطلب صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ چنانچہ اس حدیث کے راوی عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے ایک اور حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"صوموا يوم عاشوراء وخالفوا فيه اليهود وصوموا قبله يوما أو بعده يوما "(مسند احمد ۱/ ۲۴۱، صحيح ابن خزيمه۳/ ۲۹۰، ۲۹۱)

یعنی: "یوم عاشوراء کا روزہ رکھا کرو، اور اس بارہ میں یہود کی مخالفت کرو اور دس محرم سے ایک دن قبل یا ایک دن بعد بھی روزہ رکھو"

یہ حدیث صراحت سے دلالت کر رہی ہے کہ ۱۰ محرم کا روزہ تو رکھنا ہی ہے لیکن یہود کی مخالفت کیلئے ۹ محرم کا بھی روزہ رکھا جائے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے کلام سے بھی یہی فقہ مفہوم ہوتی ہے۔

۔ علامہ ابن القیم رحمہ اللہ زاد المعاد میں فرماتے ہیں:

"......ويلى ذلك ان الصيام التاسع والعاشر وعليه اكثر الاحاديث"

یعنی محرم کی ۹ اور ۱۰ کو روزہ رکھا جائے، یہی اکثر احادیث کی دلالت ہے۔

اور جو لوگ صرف ۹ محرم کے روزہ کے قائل ہیں، ان کے اس قول پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وأما اقرار التاسع فمن نقص فهم الآثار وعدم تتبع الفاظها وطرقها وهو بعيد من اللغة والشرع والله الموفق للصواب."(زاد المعاد ۲/۷۵، ۷۶)

یعنی: ''صرف ۹ محرم کے روزہ کا قول احادیث وآثار کے عدم فہم اور ان کے الفاظ وطرق کے عدم تتبع کا نتیجہ ہے، پھر یہ مفہوم لغت اور شرع دونوں سے بعید ہے، اور اللہ تعالیٰ ہی فہم حق کی توفیق دینے والا ہے۔''

محرم الحرام میں کی جانے والی بعض بدعات

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنی مایہ ناز تصنیف ''منهاج السنة النبوية'' میں اس حوالے سے بڑا نفیس کلام فرمایا ہے، جس کا ملخص یہ ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بسبب شیطان دوطرح کی بدعات جاری کرنے میں کامیاب ہوگیا ہے، ایک رونے دھونے، ماتم کرنے، سینہ کوبی کرنے، پیاسے رہنے اور مرثیے وغیرہ پڑھنے کی بدعت ہے، اس بدعت کو اپنانے والے روافض ہیں۔

دوسری بدعت جس کا ارتکاب کرنے والے نواصب اور خوارج ہیں جو محرم کے دنوں میں خوشی اور فرحت وسرور کا اظہار کرتے ہیں جس کا طریقہ یہ ہے کہ ان دنوں اپنے اہل وعیال پر دسترخوان کو وسیع کردیتے ہیں، عام معمول سے بڑھ کر مختلف پکوان پکاتے ہیں، اور زیب وزینت کے اطوار اختیار کرکے موسم عید کی طرح ان دنوں کو گذارتے ہیں۔ جبکہ یہ دنوں امور خلاف حق اور بدعت ہیں۔

واضح ہو کہ ہم سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ ﷺ کے پیارے نواسے حسین رضی اللہ عنہ کو رتبۂ شہادت سے سرفراز فرما کر ان کی زبردست تکریم فرمائی ہے، شہادت کی موت ایک اعزاز ہے، نبی علیہ السلام نے اپنی ایک حدیث میں حسن اور حسین رضی اللہ عنہما دونوں کو جنت کے نوجوانوں کا سردار قرار دیا ہے۔ (جامع ترمذی، الرقم: ۳۸۵۶)

اور اس قسم کے مراتبِ عالیہ اور منازلِ رفیعہ کا حصول تکلیفوں اور آزمائشوں کی ابتلاء کے بغیر ممکن نہیں ہے، رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا، سب سے سخت تکلیفیں کن لوگوں کو پہنچتی ہیں؟ فرمایا:

''الأنبياء ثم الصالحون ثم الأمثل فالأمثل يبتلى الرجل على حسب دينه، فان كان في دينه صلابة زيد من بلائه وان كان في دينه رقة خفف عنه ولايزال البلاء بالمؤمن حتى يمشي على الأرض وليس عليه خطيئته'' (مسند احمد ۱/۱۷۲، جامع ترمذی، الرقم: ۲۵۰۹)

یعنی: ''سب سے سخت آزمائش انبیاء پر آتی ہے، پھر ان صالحین پر جن کا رتبہ انبیاء کرام کے بعد ہے۔ ہر شخص اپنے دین کے بقدر آزمایا جاتا ہے، اگر اس کے دین میں قوت اور صلابت ہوگی تو اس کی

آزمائش بھی شدید ہوگی، اور اگر اس کے دین میں نرمی ہوگی تو اس کی آزمائش بھی ہلکی ہوگی، اور ایک مؤمن پر آزمائشوں کا سلسلہ قائم رہتا ہے، حتی کہ وہ زمین پر چل پھر رہا ہوتا ہے اور اس کے ذمہ کوئی گناہ نہیں ہوتا''

چنانچہ سیدنا حسن وحسین رضی اللہ عنہما کی زندگی کے ابتدائی سال بڑے ہی احترام وتعظیم کے زیر سایہ گذرے، لیکن پھر اللہ تعالیٰ کی سنت مستمرہ ودائمہ یعنی ابتلاء وآزمائش کا معاملہ بھی درپیش ہوا، جیسا کہ ان سے قبل ان سے افضل ان کے والد امیر المؤمنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بھی کڑے امتحان سے گذرے، جو ان کی شہادت پر منتج ہوا، ان سے قبل سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور ان سے قبل امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بھی اس قسم کے امتحان کے ذریعہ آزمائے گئے، جس میں یہ سب بزرگ سرخرو ہوئے۔

(فرضي الله عنهم وأرضاهم)

حسن رضی اللہ عنہ کا امتحان ولایت وخلافت کے تعلق سے ہوا، چنانچہ اپنے اس حق سے دستبرداری اور تنازل اختیار کر کے انہوں نے دو عظیم گروہوں میں صلح کرادی، اور یوں ایک بڑے فتنے اور خونریزی سے یہ امت راحت وعافیت میں آگئی۔

جبکہ حسین رضی اللہ عنہ اور اہل بیت اطہار کو معرکہ کربلا میں کڑے امتحان سے گذرنا پڑا، جس میں وہ پورے سرخرو ہوئے اور شہادت جیسی عظیم الشان موت کا تمغہ اپنے سینے پہ سجایا، یہ بہت بڑا اعزاز ہے، اور شہداء اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر عظیم اور ثواب جزیل کے مستحق ہیں۔

مگر افسوس ایک قوم نے فخر واعزاز کے اس واقعہ کو رونے دھونے، حزن وملال، ماتم ونوحہ خوانی وسینہ کوبی کا ذریعہ بنالیا۔ کیا یہ دین ہے؟ دین تو مصیبت کی گھڑی میں صبر، احتساب اور استرجاع کا درس دیتا ہے:

﴿...... وَبَشِّرِ الصَّابِرِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيْبَةٌ قَالُوْا إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ۝ أُولٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ﴾ (البقرة:۱۵۵ تا ۱۵۷)

ترجمہ: ''صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دیجئے جنہیں جب کبھی کوئی مصیبت آتی ہے تو کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہم تو خود اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں ان پر ان کے رب کی نوازشیں اور رحمتیں ہیں اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں''

ہم نبی ﷺ کی بعض احادیث پر غور وفکر کرنے کی دعوت دیتے ہیں:

① "لیس منا من لطم الخدود وشق الجیوب ودعا بدعوی الجاھلیة"(صحیح بخاری،الرقم:۱۲۹۴)

یعنی:"جو مصیبت پر سینہ کوبی کرے،اپنے دامن کو پھاڑے اور جاہلیت کی پکاریں پکارے وہ ہم میں سے نہیں"

② "أنا بریئ من الصالقة والحالقة والشاقة"

یعنی:"میں (مصیبت میں) بلند آواز سے چیخ وپکار کرنے والی،سر منڈوانے والی اور دامن چاک کرنے والی عورت سے بری ہوں"

③ "النائحة اذا لم تتب قبل موتها تقام یوم القیامة وعلیها سربال من قطران ودرع من جراب" (صحیح مسلم ،الرقم:۹۳۴،مسند احمد۵/۳۴۲)

یعنی:"نوحہ کرنے والی عورت اگر موت سے قبل توبہ نہ کرسکی تو اسے قیامت کے دن یوں اٹھایا جائیگا کہ اس کے جسم پر پگھلے ہوئے تانبے کی قمیص اور خارش والی درع پہنائی گئی ہوگی۔

④ "أربع فی امتی من أمر الجاھلیة لایتر کونھن: الفخر بالأحساب والطعن فی الأنساب والأستسقاء بالنجوم والنیاحة علی المیت."(صحیح مسلم ،الرقم:۹۳۴،مسند احمد۵/۳۴۲)

"امورِ جاہلیت میں سے چار چیزیں میری امت کے اندر موجود ہیں گی جنہیں وہ کبھی نہیں چھوڑیں گے۔ایک: اپنے بڑوں کے کارناموں پر فخر،دوسری: اوروں کے نسب میں طعنہ زنی،تیسری: ستاروں سے بارش طلب کرنا اور چوتھی: میت پر نوحہ خوانی"

مصیبت کی گھڑی میں شریعت کی ہدایت درج ذیل فرمانِ رسول ﷺ سے واضح ہوتی ہے:

"ما من مسلم یصاب بمصیبة فیقول انا لله وانا الیه راجعون ،اللھم أجرنی فی مصیبتی واخلف لی خیرا منھا الا أجره الله فی مصیبته وأخلف خیرا منھا"

یعنی:"جب مسلمان کو کوئی مصیبت پہنچے اور وہ یہ الفاظ کہدے (ترجمہ) اے اللہ مجھے میری اس

مصیبت میں اجر عطا فرما، اے اللہ اس کے بدلے اس سے بہتر عنایت فرمادے تو اللہ تعالیٰ اسے اس مصیبت کا اجر عطا فرمائے گا اور اس کے بدلے اس سے بہتر عطا فرمادے گا۔

ان احادیث سے بصراحت یہ بات ثابت ہو رہی ہے کہ مصیبت پہنچنے پر وہ تمام امور جو ان دنوں میں انجام دیئے جاتے ہیں، بہت بڑی معصیت اور گناہ کبیرہ ہیں۔

بتقاضائے فرمانِ رسول ﷺ: "الصبر عند الصدمة الأولى" فوری صبر ہی مقام عظمت و استقلال ہے اور شہادت کی موت تو بہت بڑا مرتبہ اور شرف ہے جس پر ان حرکات میں سے کسی بھی حرکت کے ارتکاب کا کوئی جواز نہیں بنتا۔

جہاں تک حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے تعلق سے دوسری بدعت کا تعلق ہے تو وہ یہ ہے کہ کچھ لوگ اس دن خوشیاں مناتے ہیں، اچھے اچھے کھانوں کا اہتمام کرتے ہیں، ان ناسمجھ قسم کے جذباتی نوجوانوں کا کردار بڑا ہی گھناؤنا ہے، کچھ لوگ تو اپنی شادی کی تاریخ بھی ۱۰ محرم مقرر کرتے ہیں، حالانکہ یہ خلاف معمول خوشیاں منانے کا دن نہیں ہے، اگر غم منانا روافض کے ساتھ مشابہت ہے تو خوشی منانا خوارج کے ساتھ مشابہت ہے، تو پھر خوشی کیسے جائز ہو سکتی ہے، رسول اللہ ﷺ نے خوارج کو کلاب النار (یعنی جہنم کے کتے) کہا ہے۔

اور ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا تھا:

"لئن أدركتهم لأقتلنهم قتلة ثمود"

یعنی اگر یہ خارجی مجھے مل جائیں تو میں انہیں قوم ثمود کی طرح چن چن کر قتل کر دوں۔

قوم ثمود کی طرح اس لئے کہ ان پر جب عذاب الٰہی آیا تو ان کا کچھ نہ بچا۔ پھر مقام تأمل ہے کہ ایسی قوم کے کسی منہج کی مشابہت کا کیا جواز ہے۔

ہماری یہی گذارش ہے کہ ان دنوں کو معمول کے مطابق گذارا جائے نہ خلاف معمول خوشیاں منانے اور نہ چراغاں کرنے کی ضرورت ہے۔

واللہ ولی التوفیق

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ رب العالمین، والعاقبۃ للمتقین، والصلوٰۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین امابعد!

محرم الحرام سے مسلمانوں کے سالِ نو کا آغاز ہوتا ہے، جس کی بنیاد رسول اللہ ﷺ کا واقعہ ہجرت ہے، جو ہمارے جذبوں کو مہمیز دیتا ہے اور ہمیں ان عظیم المرتبت ہستیوں کی یاد دلاتا ہے جو کشتگانِ تسلیم ورضا اور صبر واستقامت کے کوہ گراں تھے۔ جنہوں نے تمام اطراف سے آنے والے مصائب وآلام کا پامردی سے مقابلہ کیا، جب اپنے اور بیگانے سبھی مل کر مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کررہے تھے اور انہیں دین حنیف کی پیروی سے روک رہے تھے تو ایسے وقت میں توحید کے ان متوالوں نے اپنے عقائد ونظریات میں کسی قسم کی لچک پیدا کرنے کے بجائے حکم ربانی کے مطابق اپنے گھر بار اور وطن کو چھوڑ کر مدینہ کی جانب ہجرت کرلی اور ان کا یہ سفر تاریخ انسانی کا ایک یادگار اور رہتی دنیا تک باقی رہنے والا سفر بن گیا۔

محرم الحرام کو دین اسلام میں ایک خاص اہمیت حاصل ہے ویسے تو دیگر مہینے بھی اپنا اپنا انفرادی مقام رکھتے ہیں مگر ماہِ محرم ان چار مہینوں میں سے ایک ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے محترم قرار دیا ہے۔

یہ مہینہ نہ صرف خود حرمت والا ہے بلکہ اس کا ایک دن جسے ''یوم عاشوراء'' کہا جاتا ہے انتہائی فضیلت والا دن ہے۔

قریش ایامِ جاہلیت میں عاشوراء کا روزہ رکھتے تھے، جب آپ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے خود بھی روزہ رکھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس دن روزہ رکھنے کا حکم دیا، پھر جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو عاشوراء کے روزے کا اہتمام ترک فرمادیا گیا پھر جو چاہتا روزہ رکھتا اور جو چاہتا ترک کردیتا۔ (صحیح بخاری، کتاب الصوم ۱۸۹۸، صحیح مسلم ۱۱۲۵)

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے بقول محرم میں صوم عاشوراء کے سوا کوئی بھی عمل صحیح سند سے ثابت نہیں ہے۔ (منہاج السنہ ۴/۱۱۱ طبع مصر)

لہٰذا ہمیں بدعات وخرافات سے بچتے ہوئے صرف مسنون عمل ہی کرنا چاہیے کہ جس کی

فضیلت رسول اللہ ﷺ نے بایں الفاظ فرمائی۔

صوم عاشوراء ایک سال گذشتہ کا کفارہ ہے۔ (صحیح مسلم کتاب الصوم، رقم الحدیث ۱۱۶۲)

دس محرم کے دن سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو فرعون سے نجات ملی تھی اور یہودی اس خوشی میں عاشوراء کا روزہ رکھتے تھے، جب رسول اللہ ﷺ کو اس بات کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

صُوْمُوْا يَوْمَ عَاشُوْرَاءَ وَ خَالِفُوْا الْيَهُوْدَ صُوْمُوْا قَبْلَهٗ يَوْمًا اَوْبَعْدَهٗ يَوْمًا (مسند احمد رقم الحدیث ۲۱۵۴ وقال الشیخ احمد شاکر: صحیح، مجمع الزوائد ۳/۴۳۴)

عاشوراء کا روزہ بھی رکھو اور یہودیوں کی مخالفت بھی کرو، اس کے بعد یا اس سے پہلے ایک روزہ اور بھی رکھو۔ (یعنی 9 محرم یا 11 محرم کا روزہ بھی رکھو)

دس محرم کے سلسلے میں توسیع طعام (دسترخواں وسیع کرنے) کی بابت جو روایت بیان کی جاتی ہے، وہ من گھڑت ہے۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس بات کی تصریح کی ہے۔ ملاحظہ ہو (مجموع الفتاویٰ ۲/۳۵۴، منہاج السنہ ۲/ ۲۴۸، اقتضاء الصراط المستقیم ۳۰۱)

امام ناصر الدین البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"هو حديث ضعيف من جميع طرقه، وحكم عليه شيخ الأسلام ابن تيميه بالوضع فما ابعد، والشريعة لاتثبت بالتجربة"

"یہ حدیث من جمیع طرق ضعیف ہے، شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ نے اسے موضوع کہا ہے، اور اس کا موضوع ہونا کچھ مستبعد نہیں، رہا فلاں فلاں کا تجربہ، سو تجربہ شریعت میں حجت نہیں" (تعلیق مشکوٰۃ: ۱/۶۰۳)

آٹھویں صدی کے محدث و فقیہ حافظ ابن رجب رحمہ اللہ "الطائف المعارف" میں فرماتے ہیں:

"وقد رُوی من وجوه متعددہ لایصح فیها شی" (ص: ۵۲)

یہ حدیث کئی سندوں سے روایت کی گئی ہے مگر کوئی روایت اس بارے میں صحیح نہیں ہے۔

مسلمان رسم و رواج کا نہیں، دینی احکامات کا پابند ہے اور ظاہر ہے یہ تمام چیزیں دین اسلام کی تکمیل کے بعد ایجاد کی گئی ہیں اور بدعت ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

مَنْ اَحْدَثَ فِيْ اَمْرِنَا هٰذَا مَالَيْسَ مِنْهُ فَهُوَرَدٌّ (صحیح بخاری کتاب الصلح

رقم ۲۶۹۷، صحیح مسلم کتاب الاقضیہ رقم ۱۷۱۸)

جس نے ہمارے دین میں (اپنی طرف سے) کوئی نئی چیز ایجاد کی جو اس میں نہیں تو وہ مردود ہے۔

محرم اور عاشوراء کا ادب واحترام اور ان ایام میں مسنون عمل کرنے کے بجائے اتنی بدعات و رسومات ایجاد کر لی گئی ہیں کہ جنہیں احاطۂ تحریر میں لانا بھی محال ہے، یہ تو محض ایک اتفاق تھا کہ نواسۂ رسول ﷺ اور جگر گوشۂ بتول سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا المناک حادثہ بھی عاشوراء محرم میں وقوع پذیر ہو گیا، اگرچہ یہ شہادت ایک عظیم سانحہ ہے، سیدنا حسین رضی اللہ عنہ یقیناً مظلوم شہید کئے گئے لیکن جس طرح اس واقعے کو عاشوراء کی اہمیت وفضیلت کا سبب بنا دیا گیا ہے وہ کسی بھی طور پر صحیح نہیں ہے۔

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ محرم اس لئے قابل احترام ہے کہ اس میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا، یہ خیال بالکل غلط ہے۔ اس مہینے کی شرعی حرمت کا شہادت حسین رضی اللہ عنہ سے کوئی تعلق نہیں۔ کیونکہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے پچاس سال بعد شہید کئے گئے۔ جبکہ دین آپ ﷺ کی زندگی ہی میں مکمل ہو گیا تھا۔

لیکن یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ میڈیا کے منفی کردار کی وجہ سے عاشوراء کا مسنون عمل لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو گیا اور محرم کا آغاز ہوتے ہی پورے ملک میں سیاہی چھا جاتی ہے اور محافلِ عزا اور مجالس ماتم کے نام پر وہ کام کئے جاتے ہیں جن کا اسلام سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔

- سانحہ کربلا کو انتہائی مبالغہ آمیزی سے پیش کیا جاتا ہے۔
- اجتماعی شکل میں سیاہ کپڑے پہنے جاتے ہیں۔
- عاشوراء کے دن تعزیے نکالے جاتے ہیں، ان سے منتیں مانگی جاتی ہیں۔
- خاص وضع اختیار کر کے ننگے پاؤں، ننگے سر، پریشان بال اور کبھی کبھی سر پر مٹی ڈالی جاتی ہے۔
- ایک خاص تال پر یا ڈھول کی تھاپ پر ماتم کیا جاتا ہے، سینہ کوبی کی جاتی ہے مرثیے پڑھے جاتے ہیں، منہ پیٹا جاتا ہے، زنجیروں اور چھریوں سے اپنے بدن کو لہولہان کیا جاتا ہے۔
- جلوس میں شریک ذوالجناح (گھوڑے) کو کارِ ثواب سمجھ کر چھوا جاتا ہے۔
- واقعہ کربلا کے ضمن میں جلیل القدر صحابہ کرام اور تقدس مآب امہات المومنین رضی اللہ عنہن کو

ہدفِ طعن بنایا جاتا ہے۔

⊙ اظہارِ افسوس کیلئے ماہِ محرم میں شادی نہیں کی جاتی بلکہ اس ماہ میں شادی کرنے والے کو برا بھلا کہا جاتا ہے۔

⊙ عاشوراء کے دن قبروں پر اگر بتیاں جلائی جاتی ہیں اور انہیں سنوارا جاتا ہے۔

⊙ جگہ جگہ پانی کی سبیلیں لگائی جاتی ہیں اور حلیم پکایا جاتا ہے۔

لوگوں کی اکثریت دین اسلام سے ناواقفیت، میڈیا کے غلط پروپیگنڈے اور ایک فرقے کی پُرکاریوں کے سبب ان رسومات کو بڑے اہتمام سے بجالاتی ہے، حالانکہ یہ تمام چیزیں تکمیلِ اسلام کے بعد ایجاد کی گئی ہیں جو کسی طرح بھی دین کا حصہ نہیں بن سکتیں۔

واقعہ کربلا

ماہِ محرم میں ان بدعات و رسومات کے علاوہ، واقعہ کربلا کے تعلق سے بھی اکثر لوگ مغالطے کا شکار ہیں، اکثر خطباء اور واعظین اسے یوں بیان کرتے ہیں کہ گویا یہ تاریخ اسلام میں حق و باطل کا سب سے بڑا معرکہ ہو، حقیقت یہ ہے کہ بعض واقعات جو نہایت مشہور اور سینکڑوں برس سے نقل ہوتے چلے آرہے ہیں، سرے سے بے بنیاد اور بے اصل ہیں۔ بڑے بڑے مؤرخین اور مصنفین ان کو یکے بعد دیگرے بلاسوچے سمجھے نقل کرتے آئے ہیں، ان کی صحت کا معیار اصولوں پر نہیں جانچا جاتا، چنانچہ اس تساہل و تسامح کا نتیجہ یہ ہوا کہ غلط اور بے بنیاد قصے عوام تو عوام، خواص کے قلوب و اذہان میں ایسے راسخ ہو گئے ہیں کہ ان واقعات کا انکار گویا بدیہات کا انکار ہے۔

یہ واقعہ حق و باطل کا معرکہ نہ تھا اور نہ ہی کہ کفر و اسلام کی جنگ تھی، اگر معاملہ ایسا ہی ہوتا تو صحابہ کرام ﷡ اور تابعین عظام کی بکثرت موجودگی کے باوجود سیدنا حسین ﷜ اکیلے شریک نہ ہوتے؟

دراصل یہ ایک سیاسی نوعیت کا تصادم تھا جس میں ایک طرف جگر گوشہ بتول سیدنا حسین ﷜ تھے تو دوسری طرف کاتب وحی سیدنا معاویہ ﷜ کے فرزند امیر یزید۔

اور یہ بھی ایک ٹھوس حقیقت ہے کہ سیدنا حسین ﷜ کو امیر یزید کے خلاف کوئی شکایت نہ تھی بلکہ آپ کے اس اقدام کا پس منظر کوفیوں کے وہ خطوط تھے جن کی تعداد بارہ ہزار تک بیان کی جاتی

ہے جن میں لکھا تھا کہ: "تشریف لائیے! پھل پک چکے ہیں، باغ سرسبز و شاداب ہیں ہم تمام آپ کو اپنا امیر تسلیم کرتے ہیں آپ پہنچئے اور یزید کے خلاف جہاد کیجئے"۔

یہی وجہ تھی کہ آپ اپنا پورا خاندان ساتھ لیکر نہیں گئے تھے۔ بلکہ جب آپ کوفہ کی طرف عازم سفر ہوئے تو آپ کے قریبی رشتہ داروں نے روکنے کی بھرپور کوشش کی اور اس اقدام کے خطرناک نتائج سے آپ کو آگاہ بھی کیا۔

روکنے والوں میں سیدنا عبداللہ بن عمر، سیدنا عبداللہ بن عباس، سیدنا جابر بن عبداللہ، سیدنا ابو واقد لیثی، سیدنا ابوالدرداء رضی اللہ عنہم اور آپ کے بھائی محمد ابن الحنفیہ رحمۃ اللہ علیہ نمایاں تھے۔ اس کے باوجود نہ تو آپ نے اپنا ارادہ ملتوی کیا اور نہ ہی اپنے موقف کے مقابلے میں کوئی دلیل پیش کی، جو اس بات کا مظہر ہے کہ آپ نے محض اہلِ کوفہ کے خطوط کی بنا پر یہ سفر شروع کیا۔

آپ نے اپنے چچازاد بھائی سیدنا مسلم بن عقیل رحمۃ اللہ علیہ کو حالات کی آگاہی کیلئے کوفہ روانہ کر دیا تھا، ابھی آپ راستے ہی میں تھے کہ مسلم بن عقیل کی شہادت کی خبر ملی، جنہیں کوفیوں نے انتہائی بے دردی سے قتل کر دیا تھا۔ اس المناک واقعے سے آپ کا اہلِ کوفہ پر اعتماد ختم ہو گیا اور آپ نے فراست ایمانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے موقف سے رجوع کر لیا اور راستے ہی سے واپسی کا عزم ظاہر کیا۔ مگر مسلم بن عقیل کے بھائیوں نے کہا کہ ہم یا تو اپنے بھائی کا بدلہ لیں گے یا خود لڑ کر مر جائیں گے۔

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کیلئے یہ لمحہ یقیناً انتہائی کٹھن تھا، چھوٹے چھوٹے بچے اور خواتین ہمراہ تھیں اور جس امید پر یہ سفر اختیار کیا تھا وہ دم توڑ چکی تھی مسلم بن عقیل کے بھائی واپسی کے ارادے میں مانع تھے اور ساتھ ہی وہ کوفی بھی تھے جو مکہ سے آپ کو اپنے ہمراہ لائے تھے، انہوں نے اس موقع پر کہنا شروع کر دیا کہ "مسلم بن عقیل کی بات اور تھی اور آپ کی بات کچھ اور ہے آپ جونہی کوفہ پہنچیں گے تمام لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہو جائیں گے"۔ اور یوں اس قافلے کا سفر کوفہ کی جانب جاری رہا۔

جب آپ کربلا کے مقام پر پہنچے تو عامل کوفہ عبیداللہ ابن زیاد نے انتہائی دوراندیشی سے کام لیتے ہوئے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے دو ماموؤں، عمرو بن سعد اور شمر ذی الجوشن کو سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے قافلے کی جانب روانہ کیا۔ عمرو کے والد سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں

تھے۔اس لحاظ سے عمرو بن سعد بھی سیدنا حسین ؓ کے ماموں ٹھہرے،اور ذی الجوش سیدنا علی ؓ کی سسر تھے اور شمر سیدنا علی ؓ کے سالے۔

ابن زیاد نے ان دونوں کا انتخاب اس لئے کیا تا کہ رشتہ داری کی وجہ سے آزادانہ ماحول میں آپس میں گفتگو ہو سکے۔

عمرو بن سعد یہ چاہتے تھے کہ آپ عامل کوفہ کے ہاتھ پر بیعت کرلیں جو درحقیقت ایک رسمی کاروائی تھی مگر آپ براہِ راست امیر یزید کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہتے تھے،شاید آپ کی خودداری طبیعت نے یہ گوارا نہ کیا ہو اور چونکہ قافلہ دمشق کی طرف روانہ ہو چکا تھا (اور یہ حقیقت ہے کہ کربلا، دمشق کی طرف جانے والے راستے پر پڑتا ہے) اس لئے عمرو بن سعد نے ابن زیاد کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لئے بھی زور نہیں دیا۔

اب آپ ؓ سرکاری فوج کی معیت میں دمشق کی جانب رواں دواں تھے،یہ صورتحال دیکھ کر مکہ سے ہمراہ آنے والے کوفیوں نے وہاں سے نکلنا چاہا کیونکہ اس سارے فتنے کے کرتا دھرتا یہی کوفی تھے اور دمشق جانے کی صورت میں ان کی فریب کاریاں طشت از بام ہو جاتیں۔اسی اثنا میں عمرو بن سعد نے انہیں گھیرے میں لے لیا۔

10 محرم الحرام سن 61 ہجری کو ظہر اور عصر کے درمیانی وقت جبکہ اہل ایمان دوگانہ نماز ادا کرنے میں معروف تھے اسی دوران کوفیوں نے اپنے خیموں میں ایک خطرناک منصوبہ بنایا کہ ہمارے خطوط حسین ؓ کے پاس موجود ہیں جو ہمارے جرم کے شاہد ہیں،بہتر یہی ہوگا کہ اچانک حملہ کر کے حسین ؓ کو ختم کر دیا جائے اس افراتفری میں سرکاری فوج کا حصار بھی ٹوٹ جائے گا تو اپنے کچھ لوگ بچ نکلنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

یہ منصوبہ تیار کر کے وہ سیدنا حسین ؓ اور آپ کے ساتھیوں پر ٹوٹ پڑے،چیخ و پکار کی آواز سن کر جب تک سرکاری فوج پہنچی،کوفی اپنا کام کر چکے تھے سرکاری فوج نے انہیں بھی ختم کر دیا۔

کوفیوں نے جس طرح جمل و صفین میں اچانک حملہ کر کے مسلمانوں کو آپس میں لڑایا تھا اسی طرح کربلا میں اچانک حملہ کر کے سیدنا حسین ؓ کو شہید کر دیا۔چوں کہ یہ حملہ اچانک اور افراتفری

کے عالم میں کیا گیا تھا اس لئے سرکاری فوج کے آنے تک جو بچ گیا سو بچ گیا ورنہ سیدنا زین العابدین (علی بن حسین رضی اللہ عنہ) کبھی نہ بچ سکتے۔ (القول المفتوح ملخصاً ص ۳۰۔۴۰)

کوفیوں ہی نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو دارالخلافہ سمیت کوفہ منتقل کر کے شہید کیا، سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو کھانے میں زہر دے کر مارا اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو کوفہ لے جا کر شہید کرنا چاہتے تھے لیکن منصوبہ ناکام ہونے کی وجہ سے کربلا میں شہید کر دیا۔

اس واقعے کے عینی شاہدین میں سیدنا علی بن حسین (زین العابدین) سیدہ زینب بنت علی رضی اللہ عنہا اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے جواں سال صاحبزادے حسن مثنیٰ شامل ہیں۔

ان سب کی زبان پر ہر موقعے اور ہر مجلس میں یہی الفاظ نکلے کہ:

اے کوفیو! اللہ تمہیں غارت کرے تم نے پہلے خط لکھ کر ہمیں بلوایا پھر نہایت بے دردی سے ہمیں قتل کرنا شروع کر دیا۔

بازارِ کوفہ میں سیدہ زینب بنت علی رضی اللہ عنہا کا مشہور خطبہ جو اکثر کتب میں مرقوم ہے جس کا ایک اقتباس یہ ہے:

یا اهل الكوفة یا اهل الختل والغدر أتبكون فلا رقأت الدمعة ولا قطعت الرنة ولا هدأت الزفرة

"اے اہل کوفہ! اے غدارو! اے مکارو! تمہارے آنسو کبھی نہ تھمیں اور تمہاری فریاد کبھی نہ ختم ہو"۔ (سیرۃ فاطمۃ الزہرہ ص ۲۶۸ حق برادرز لاہور)

لیکن جب اس واقعے میں مبالغہ آمیزی سے کام لیا گیا تو شیطان کو مزید بدعتیں پھیلانے کا موقع مل گیا مثلاً کچھ لوگ یوم عاشوراء کو جہاں دیگر بدعات و رسومات انجام دیتے ہیں ساتھ ہی ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گالیاں بھی دیتے ہیں، ان پر لعنتیں بھیجتے ہیں اور ان لوگوں کو بھی اس لپیٹ میں لیتے ہیں جن کا اس واقعے سے دور و نزدیک کا کوئی تعلق ہی نہیں تھا۔

بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ امیر یزید نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کا حکم دیا یہ بات قطعاً درست نہیں، امیر یزید نے نہ تو حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کا حکم دیا اور نہ ہی اہل بیت کی خواتین کو کنیز بنایا اور نہ ہی

انہیں شہر شہر رسوا کیا۔ اور جہاں تک اس کے فسق و فجور کی بات ہے تو وہ غلط ہے جس کی تردید سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے صاحب علم لخت جگر محمد ابن الحنفیہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ میں کی:

''میں نے یزید میں وہ باتیں نہیں دیکھیں جو تم بیان کرتے ہو میں تو خود ان کے پاس گیا، ان کے پاس رہا ہوں، میں نے تو ان کو ہمیشہ پابند صلوٰۃ، مسائل خیر کا متلاشی اور سنت رسول پر مضبوطی سے کاربند پایا ہے''۔ (البدایۃ والنہایۃ ۸/۲۳۳)

بعض لوگوں نے امیر یزید کے فسق و فجور کے افسانے گھڑ لئے اور ان کی تنقیص و تحقیر کیلئے من گھڑت روایات لکھ کر کئی صفحات سیاہ کر ڈالے۔ نہ تو ان افسانوں کی کوئی حقیقت ہے اور نہ ہی ان خود ساختہ روایات کی کوئی وقعت۔

ملا علی قاری، موضوعات کبیر میں لکھتے ہیں:

''اسی طرح سیدنا معاویہ، سیدنا عمرو بن العاص اور دیگر بنو امیہ خصوصاً امیر یزید، امیر ولید اور سیدنا مروان بن الحکم کی مدحت اور مذمت کی روایات جھوٹی ہیں''۔ (موضوعات کبیر ص ۱۰۶)

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

''مؤرخ ابن عساکر نے امیر یزید بن معاویہ کی مذمت میں جس قدر روایات بیان کی ہیں وہ تمام کی تمام من گھڑت ہیں ان میں سے کوئی بھی صحیح نہیں ہے''۔ (البدایۃ والنہایۃ ص ۸/۲۳۱)

چونکہ واقعہ کربلا کے ضمن میں سب سے زیادہ نشانۂ ستم بننے والی ہستی امیر یزید کی ہے، لہٰذا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی زندگی کے چند پہلو صفحۂ قرطاس پر آ جائیں تاکہ تحقیق پسند قاری اپنے لئے ایک راہ متعین کر سکے۔ امیر یزید کی زندگی کو تین ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

⊙ خلافت سے پہلے:

خلافت سے پہلے دس سال تک امیر یزید ولی عہد رہے۔ مملکت اسلامیہ کے کسی کونے سے آپ کے خلاف کسی قسم کی کوئی آواز بلند نہیں ہوئی بلکہ سن 51، 52 اور 53 ہجری میں تین سال مسلسل آپ امیر حج مقرر ہوئے، سینکڑوں صحابہ کرام اور ہزاروں تابعین عظام نے آپ کی امارت میں حج کئے اور آپ کی اقتداء میں نمازیں ادا کیں۔

⊙ خلیفہ منتخب ہونے کے بعد:

سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''یزید اپنے خاندان کے نیک لوگوں میں سے ہے''۔
(انساب الاشراف: ۴/۴/۳، الامامۃ والسیاسۃ: ۱/۱۷۴)

جب مدینہ کے کچھ لوگوں نے امیر یزید کی بیعت سے الگ ہونے کا اعلان کیا تو اس موقع پر جلیل القدر صحابی سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے اہل وعیال کو جمع کیا اور فرمایا:

میں نے نبی ﷺ سے سنا ہے کہ روزِ قیامت ہر بدعہدی کرنے والے کے لئے ایک (علامتی نشان) جھنڈا نصب کردیا جائے گا ہم نے اس شخص (یزید) سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بیعت کی ہے، میری نظر میں اس سے زیادہ بدعہدی اور کوئی نہیں کہ ایک شخص کی اللہ اور رسول کے نام پر بیعت کی جائے پھر اسی کے خلاف لڑائی کے لئے کھڑا ہوا جائے۔ یاد رکھو کہ تم میں سے کسی کے متعلق بھی مجھے یہ علم ہوا کہ اس نے یزید کی بیعت توڑ دی ہے یا وہ بدعہدی کرنیوالوں کے پیچھے لگ گیا ہے تو میرے اور اس کے درمیان کوئی تعلق نہ رہے گا۔ (صحیح بخاری، کتاب الفتن حدیث نمبر: ۷۱۱۱)

عظیم محدث وفقیہ حافظ عبدالغنی بن عبدالواحد المقدسی رحمہ اللہ (صاحب عمدۃ الاحکام) سے جب امیر یزید کی خلافت کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا:

خلافته صحيحة، قال بعض العلماء بايعه ستون من اصحاب رسول الله ﷺ منهم ابن عمر رضي الله عنه (ذيل طبقات الحنابله لابن رجب ۲/۳۴)

یزید کی خلافت صحیح تھی، چنانچہ بعض علماء کا کہنا ہے کہ ساٹھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یزید کی بیعت کی تھی جن میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جیسی پاکیزہ صفات ہستیوں نے امیر یزید کی بیعت کی تھی جو اس بات کا مظہر ہے کہ امیر یزید ان تمام الزامات سے بری ہے جو ان کی جانب منسوب کئے جاتے ہیں۔

⊙ کارنامے:

امیر یزید نے سب سے پہلے خانہ کعبہ پر قیمتی ریشم کا غلاف چڑھایا، لوطی پر حد جاری کی، دور کے پہاڑوں سے نہر یزید کھدوا کر لاکھوں تشنگان کیلئے تا قیامت خوشگوار پانی سے صحراء میں بسنے والے

پیاسوں کیلئے سیرابی کا انتظام فرمایا۔(طبقات ابن سعد، جمهرة الانساب، البداية والنهاية، الاصابه)

ان حقائق کے باوجود، دین سے بیگانہ، عقل وخرد سے تہی دامن اور شعور وشائستگی کے ناموں سے نا آشنا لوگ امیر یزید کو فی النار کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔

امیر یزید کے متعلق جو غلط فہمیاں پیدا ہوگئی ہیں ان کے ازالے کے لئے رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث ضرور ممد ومعاون ثابت ہوگی۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

اَوَّلُ جَيْشٍ مِنْ اُمَّتِيْ يَغْزُوْنَ الْبَحْرَ فَقَدْ اَوْجَبُوْا.......... اَوَّلُ جَيْشٍ مِنْ اُمَّتِيْ يَغْزُوْنَ مَدِيْنَةَ قَيْصَرَ مَغْفُوْرٌ لَهُمْ (صحيح بخاري، كتاب الجهاد والسير رقم الحديث ٢٩٢٣)

میری اُمت کا وہ پہلا لشکر جو سمندری جہاد کریگا ان کے لئے جنت واجب ہوگئی،......میری اُمت کا پہلا وہ لشکر جو قیصر کے شہر (قسطنطنیہ) میں جہاد کریگا وہ بخشا ہوا ہے۔

محدث شہیر حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں:

قال المهلب: وفي الحديث منقبة لمعاوية لانه اول من غزا البحر، ومنقبة لولده يزيد لانه اول من غزا مدينة قيصر (فتح الباری ٦/ ١٢١ـ ١٢٠ رقم:٢٩٢٤)

امام مہلب فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں (سیدنا) معاویہ کی منقبت بیان ہوئی ہے، کیوں کہ انہوں نے ہی سب سے پہلے سمندری جہاد کیا، نیز ان کے فرزند یزید کی فضیلت بھی مذکور ہے، اس لئے کہ انہوں نے ہی سب سے پہلے قیصر کے شہر (قسطنطنیہ) پر چڑھائی کی تھی۔

نوٹ: امام مہلب کے اس قول کو علامہ بدرالدین عینی حنفی نے عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری ۲۱/ ۵۲۵ اور امام محمد بن عبدالباقی نے شرح الزرقانی علی مؤطا امام مالک ۳/ ۵۷ میں بھی نقل کیا ہے۔

تاریخی حوالہ جات سے بھی یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ امیر یزید کی قیادت میں سب سے پہلے قسطنطنیہ (استنبول) پر چڑھائی کی گئی۔

چناچہ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں مسلمان سب سے پہلے سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی

قیادت میں سن ۲۷ ہجری میں بحری جہازوں میں سوار ہو کر قبرص کے علاقے میں پہنچے، وہاں جہاد کیا اور اسے فتح کیا:

وقد كان يزيد اول من غز امدينة قيصر (البداية والنهاية ۸/۲۳۲)

اسی طرح امیر یزید نے سب سے پہلے قیصر کے شہر پر چڑھائی کی۔

اور اسی غزوے میں میزبان رسول سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ بھی شریک تھے جن کا انتقال اسی غزوے کے دوران ہوا اور امیر یزید نے وصیت کے مطابق ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ (مسند احمد: ۲۴۳۱۱، مصنف عبدالرزاق: ۹۶۰۸، البدایۃ ۸/۶۱۔۶۰)

اور یزید بن معاویہ ہی اس لشکر کے امیر تھے جیسا کہ مسند احمد میں اس کی وضاحت موجود ہے:

ان يزيد بن معاوية كان اميرا على الجيش الذي غزا فيه ابو ايوب (مسند احمد: ۲۳۵۷۰)

یقیناً امیر یزید ہی اس لشکر کے امیر تھے جس میں ابوایوب رضی اللہ عنہ نے شرکت کی تھی۔

اس شرعی اور تاریخی حقیقت کے باوجود کچھ لوگ امیر یزید کو اس شرف سے محروم کرنے کے لئے مذکورہ حدیث میں من مانی تاویلات کرتے ہیں۔

''مثلاً یہ کہ ''مغفور لهم'' کا مطلب ہے ان کے سابقہ گناہ نہ کہ آئندہ گناہ اور ''مغفور'' کا لفظ آجانے سے مستقبل کے گناہ تو معاف نہیں ہو سکتے''۔

ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ مغفرت کوئی فوری انعام نہیں ہے بلکہ مرنے کے بعد ملنے والا صلہ ہے جب حدیث رسول کی رو سے قسطنطنیہ پر پہلا غزوہ کرنے والا امیر یزید اگر انعام کا مستحق ہو جاتا ہے تو اس کے لئے یہ انعام فی الحال ایک وعدے کی صورت میں ہے، انعام تو مرنے کے بعد ہی ملے گا لیکن اگر اللہ تعالیٰ اسے مرنے کے بعد یہ کہہ دیں کہ ہم نے تمہارا انعام منسوخ کیا تو اس عارضی وعدۂ مغفرت کی بھی کوئی قیمت رہ جاتی ہے؟؟ کم از کم مالکِ کون و مکاں اور حاکمِ ارض و سما سے ایسی توقع ہرگز نہیں کی جا سکتی۔

اور یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ قرآن و حدیث میں وارد ہونے والی بشارتیں دو طرح کی ہیں۔

(۱) ایک تو یہ کہ بعض اعمال وافعال کے بارے میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ بتلاتے ہیں کہ جس نے فلاں عمل کیا وہ جنت میں جائے گا اور جس نے فلاں عمل کیا وہ جہنم میں جائے گا۔

قرآن وحدیث میں اس کی مثالیں بکثرت موجود ہیں اور یہ بشارتیں کسی ایسے فعل وعمل کے لئے نہیں ہوتیں جو کسی خاص وقت یا زمانے میں محدود ہو، بلکہ ان کی حیثیت دائمی ہوتی ہے اور قیامت تک ان کا دائرہ وسیع ہوتا ہے مثلاً ہمسائے کی مدد کرنا، مقروض کی گردن چھڑانا یا کسی مسلمان کو اچانک اور غیر متوقع خوشی پہنچانا، یہ ایسے اعمال ہیں جن پر قرآن وحدیث میں جنت کی بشارتیں دی گئی ہیں۔ اور ظالم کا ساتھ دینا، یتیموں کا مال کھانا، یا پڑوسی کو تنگ کرنا وغیرہ ایسی حرکات ہیں جن پر جہنم کی وعید آئی ہے، اور ظاہر ہے کہ یہ اعمال وافعال کسی خاص زمانے تک محدود نہیں بلکہ قیامت تک کے لئے ہیں اور ان بشارتوں اور وعیدوں میں کسی خاص گروہ یا خاص فرد کا ذکر نہیں بلکہ ہر مسلمان ہر زمانے میں ان کا مصداق ومُورد ہے۔

(۲) قرآن وحدیث میں ایک اور انداز کی بشارتیں بھی ہیں جو بعض افراد یا گروہوں کے لئے مخصوص ہیں اور ان کا پھیلاؤ تمام زمانوں پر نہیں بلکہ خاص زمانے پر ہے مثلاً ابولہب کا نام لیکر جہنم کی خبر دی گئی، رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کے بارے میں فرمایا تھا کہ یہ جہنمی ہے، حالانکہ وہ نہایت پامردی سے دشمنوں سے لڑ رہا تھا، چنانچہ ایسا ہی ہوا اور وہ شخص خودکشی کر کے مرا۔ (صحیح بخاری، کتاب المغازی)

ان بشارتوں اور وعیدوں کا معاملہ وہ نہیں جو پہلی طرز کی بشارتوں کا ہے، ان میں کسی استثناء اور چُوں وچُرا کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

امیر یزید کے بارے میں جو بشارت وارد ہے اس کا تعلق دوسری قسم سے ہے قسطنطنیہ پر پہلا غزوہ ایک خاص وقت کا واقعہ ہے اور بشارت نے ان تمام افراد کو نامزد کر دیا جو اس جنگ میں شریک ہوئے۔

رسول اللہ ﷺ کی پیشگوئیاں عام انسانوں یا نجومیوں کی سی نہیں تھی (نعوذ باللہ) بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اطلاع دی تھی کہ قسطنطنیہ پر پہلا غزوہ کرنے والے گروہ کی مغفرت کی جائے گی جبھی آپ ﷺ نے اپنی زبان اطہر سے یہ خوشخبری نکالی، کیا اللہ تعالیٰ کو یہ بات معلوم نہیں تھی کہ امیر یزید بعد میں اس حد تک بدکردار ہو جائے گا کہ بشارت ہی لنگڑی ہو کر رہ جائے گی؟؟

اگر واقعتاً امیر یزید اس بشارت سے مستثنیٰ ہو سکتا تھا تو اللہ تعالیٰ سے زیادہ یہ خبر کسے ہو سکتی تھی؟؟

ہمارا دعویٰ ہے کہ قسطنطنیہ کے پہلے غزوے کے مجاہدین میں سے کوئی بھی مرتد نہیں ہوا اور ہوتا بھی کیسے؟ جن کیلئے خود عالم الغیب والشہادۃ نے مغفرت طے کردی ہو وہ کیونکر مشرک و کافر ہو کر دنیا سے جاسکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کو پورا علم تھا کہ اس گروہ مومنین میں سے کوئی مرتد ہونے والا نہیں اگر ایسا ہوتا تو وہ ضرور اپنے رسول کی زبانی دی ہوئی بشارت میں کوئی جملہ یا لفظ ایسا نکلوا دیتا کہ استثناء کی گنجائش نکل آتی۔(القول المفتوح، ملخصا ۱۵۔۱۰)

اب رہا یہ مسئلہ کہ امیر یزید پر لعن یا سب وشتم کرنا جو بد قسمتی سے ہمارے معاشرے میں رواج پا گیا ہے اور جس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ لوگ امیر یزید کو سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے خاندان کا قاتل سمجھتے ہیں حالانکہ امیر یزید نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو نہ تو اپنے ہاتھ سے قتل کیا اور نہ ہی ان کے قتل کا کسی کو حکم دیا اور نہ ہی ان کی اس میں رضامندی شامل تھی۔

امیر یزید کو قاتلانِ حسین میں شمار کرنے والوں کے پاس تاریخ کے ژولیدہ و بوسیدہ اور خاموش اوراق کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہے سب قصے سب کہانیاں من گھڑت اور بے بنیاد ہیں۔

جو لوگ امیر یزید پر لعنت کرتے ہیں انہیں امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے بقول دو باتیں ثابت کرنا ہونگی۔

(۱) یزید، ایسے فاسقوں اور ظالموں میں سے تھا جس پر لعنت اور سب وشتم کرنا جائز ہے؟

(۲) ایسے فاسقوں اور ظالموں میں سے کسی ایک کو معین کر کے لعنت کرنا روا ہے؟

امیر یزید کے بارے میں سلف صالحین کا موقف

اللہ تعالیٰ نے اہلِ کتاب کو نصیحت فرمائی تھی:

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوا أَهْوَاءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوا مِن قَبْلُ وَأَضَلُّوا كَثِيرًا وَضَلُّوا عَن سَوَاءِ السَّبِيلِ (المائدہ5:77)

"اے اہل کتاب اپنے دین میں ناحق غلو نہ کرو اور ان قوموں کے نقش قدم پر نہ چلو جو تم سے پہلے (غلو کا طریقہ اختیار کر کے) خود گمراہ ہوئے اور بہت سوں کو گمراہ کیا اور صحیح راستے سے بھٹک گئے۔"

اورحدیث صحیح میں رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے، آپ ﷺ نے امت کو نصیحت فرمائی تھی:

"ایاکم والغلو فی الدین، فانما أهلك من كان قبلكم الغلو فی الدین" (رواه النسائی: ۳۰۵۷ وابن ماجه: ۳۰۲۹ واحمد: ۱۸۵۱ وصححه ابن خزيمه: ۲۸۶۷)

''دین میں غلو سے اجتناب کرو، کیونکہ غلو فی الدین نے تم سے پہلے گذری ہوئی قوموں کو برباد کردیا''۔

اللہ اور رسول ﷺ کے بیان کے مطابق جس چیز نے گذری ہوئی امتوں کو سواءالسبیل سے محروم کردیا اور بربادی کا سبب بنی ہم دیکھتے ہیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ وہی چیز امت محمدیہ ﷺ کی غالب اکثریت کو بھی سواءِ السبیل سے بہکانے کا اہم سبب بن گئی ہے۔ نہ عقائد وعبادات میں امت کی اکثریت کتاب وسنت کے اس جادۂ اعتدال پر قائم نظر آتی ہے جس پر نبی اکرم ﷺ نے امت کو چھوڑا تھا۔ نہ شخصیات کی مدح وقدح وبغض میں وہ جادۂ اعتدال رہا جس کی رہنمائی آپ ﷺ نے فرمائی تھی۔

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ وامیر یزید ان شخصیات میں سرفہرست آتے ہیں جن کی منقبت ومنقصت میں امتِ محمدیہ ﷺ کی اکثریت بے حد غلو کا شکار ہوئی ہے۔ بہت بڑی خلق خدا ہر نئے اسلامی سال کی ابتداء اس مہلک جرم کے ارتکاب سے کرتی ہے اور اپنا نامۂ اعمال سیاہ کرتی ہے، اور جب بھی یہ شخصیات ہمارے مقررین اربابِ نگارش کا موضوع بنتی ہیں تو ایک کی منقبت میں اور دوسری کی منقصت میں عموماً بڑے غلو ومبالغہ آرائی سے کام لیا جاتا ہے۔ واقعۂ کربلا اور سیدنا حسین وامیر یزید کے بارے میں غیر صحیح روایات کا اتنا انبار لگا دیا گیا ہے کہ اس سبب بہت سے اہلِ علم بھی حقائق کا سراغ لگانے سے قاصر رہ جاتے ہیں اور غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا موقف

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کو اللہ تعالیٰ نے جو عبقریت عطا کی تھی اور کتاب وسنت وتاریخ وملل پر جو عبور بخشا تھا اور جس قدر بیکراں ذکاوت وبصیرت اور ژرف نگاہی انہیں مبدء فیاض سے عطا ہوئی تھی اس کے سبب جس موضوع پر بھی انہوں نے قلم اٹھایا ان کی تحریر بڑی صائب ومتوازن ومدلل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی تحقیقات واستدلالات سے بہت سوں کو جادۂ حق عطا کردیا۔ وذلك فضل الله يوتيه من يشاء۔

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شیعی عالم کی کتاب "منہاج الکرامۃ فی معرفۃ الامامۃ" کے جواب میں اپنی گراں قدر تصنیف "منہاج الاعتدال فی نقض کلام اھل الرفض والاعتدال" تحریر فرمائی۔ جو لوگوں میں "منہاج السنۃ" کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس کے دوسرے جزء کے بیس صفحات میں (ص ۲۳۷ تا ۲۵۶) آپ نے اس موضوع پر طویل بحث کی ہے۔ نیز مجموع الفتاویٰ کے اجزاء ۳، ۴، ۲۵، ۲۷ اور اس کے علاوہ بھی بعض اجزاء میں اور بعض دوسری تصنیفات میں بھی اس موضوع پر مختصر و مطول بحثیں موجود ہیں۔

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے پیش رو شہداء کرام کا نمونہ پیش کیا اور کیوں نہ ہو اور ان کے بھائی شبابِ اہل الجنۃ کے سردار جو ٹھہرے اور جن کی پرورش اسلامی عز و شرف کے گہوارہ میں ہوئی، ان دونوں کے اپنے مبارک خانوادہ کی طرح ہجرت و جہاد اور اللہ کی راہ میں تکالیف پر صبر کا شرف ملا تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو شہادت کا شرف عطا کیا جو ان دونوں کی کرامت و بلندیٔ درجات کا موجب ہوا۔ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا قتل ایک عظیم صدمہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے مصیبت پر "انا للہ وانا الیہ راجعون" کہنا مشروع کیا ہے۔

اور صحیحین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ جو مسلمان مصیبت میں مبتلا ہو اور اس پر "انا للہ وانا الیہ راجعون اللھم اجرنی فی مصیبتی واخلف لی خیرا منھا" کہہ لے تو اللہ تعالیٰ اسے اجر عظیم عطا کرتا ہے اور اس کا نعم البدل عطا فرماتا ہے۔ اور خود سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"کوئی مصیبت کچھ وقت گذرنے کے بعد یاد آئے اور جب وہ بھی یاد آئے "انا للہ وانا الیہ راجعون" پڑھ لے تو اسے اس مصیبت کا ثواب مل جاتا ہے۔

"اور صحیح روایات سے ثابت ہے کہ جو مصیبت میں جزع و فزع کرے، منہ پیٹے، گریبان پھاڑے، دورِ جاہلیت کی طرح ہائے وائے کرے اور بے صبری کا مظاہرہ کرے، اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ وہ ہم میں سے نہیں ہے اور میں اس سے بَری ہوں۔"

لہٰذا جو لوگ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے حادثہ کربلا کو یاد کرتے ہیں انہیں سوچنا چاہیئے کہ ان احادیث کی رو سے اُس وقت انہیں کیا طریقہ اختیار کرنا مناسب ہے؟

امیر یزید کا ذکر کرتے ہوئے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اس میں شک نہیں کہ یزید کے بارے میں لوگوں کی رائے مختلف ہیں:

(۱) ایک گروہ اسے کافر قرار دیتا ہے، اور صرف اسُے ہی نہیں بلکہ اس کے والد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھی۔ اور اسی کے ساتھ سیدنا ابوبکر و عمر و عثمان و جمہور مہاجرین و انصار صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی کافر قرار دیتا ہے۔ یہ گروہ رافضیوں کا ہے جو اللہ کی مخلوق میں سے بڑی جہالت و ضلالت میں مبتلا گروہ ہے۔ جو اللہ پر اور اس کے رسول پر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ واہل قرابت وغیرہ پر جھوٹ بولنے اور جھوٹی باتوں کا انتساب کرنے میں سب سے بڑھ کر ہے۔ یزید کی بابت ان کی کذب بیانی اُسی طرح ہے جس طرح ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کی بابت ہے، بلکہ یزید کی بابت کذب بیانی اور اس پر جھوٹے الزامات لگانا اُن کبار صحابہ رضی اللہ عنہم پر جھوٹے الزامات لگانے کی بہ نسبت بہت آسان ہے۔

(۲) دوسرا طائفہ یزید کو ائمہ ہدیٰ خلفائے عدل اور مومنین صالحین میں سے قرار دیتا ہے، بلکہ ان میں سے بعض یزید کو صحابہ میں شمار کرتے ہیں اور بعض نے تو یزید کو نبی قرار دیا ہے۔ یہ گروہ بھی واضح جہالت و ضلالت کا شکار ہے اور یہ سب باتیں بدترین کذب ہیں۔

صحیح بات یہ ہے کہ یزید مسلمان بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ تھا، اس نے نیک عمل بھی کئے ہیں اور اُس سے خطائیں بھی ہوئی ہیں اور اُس جیسے مسلمان بادشاہوں کی بابت جو باتیں کہی جاسکتی ہیں وہی یزید کی بابت بھی کہی جاسکتی ہیں۔

یزید اپنے زمانے میں عملاً ایک بادشاہ، حکمراں، صاحب سیف اور خود مختار فرمانروا تھا، اپنے والد (امیر معاویہ رضی اللہ عنہ) کی وفات کے بعد تخت نشین ہوا اور شام و مصر و عراق خراسان وغیرہ اسلامی مما لک میں اس کا حکم چلا اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ قبل اس کے کہ کسی ملک پر بھی حکمراں ہوں یوم عاشوراہ ۶۱ھ میں شہید ہو گئے اور یہی یزید کی سلطنت کا پہلا سال ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا مؤقف

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا موقف ان کی مشہور تصنیف ''احیاء العلوم'' میں درج ہے، فرماتے ہیں:

''اگر سوال کیا جائے کہ کیا یزید پر لعنت کرنا جائز ہے کیونکہ وہ حسین رضی اللہ عنہ کا قاتل ہے یا قتل کا حکم دینے والا ہے؟ تو ہم جواباً کہیں گے کہ یہ باتیں قطعاً ثابت نہیں ہیں اور جب تک یہ باتیں ثابت نہ ہوں اس کے متعلق یہ کہنا جائز نہیں کہ اس نے قتل کیا یا قتل کا حکم دیا''۔

''باقی امیر یزید کے لئے رحمت کی دعا کرنا (یعنی رحمہ اللہ کہنا) نہ صرف جائز بلکہ مستحب ہے کیونکہ وہ اس دعا میں داخل ہے جو ہم مانگتے ہیں یعنی اللھم اغفر للمومنین والمومنات (اے اللہ! مومن مردوں اور مومن عورتوں کو بخش دے) اس لئے کہ یزید مومن تھا''۔ (وفیات الاعیان ۲/۴۵۰)

اور یہ بات بھی غلط ہے کہ سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے جب کسی نے یزید کو امیر المؤمنین کہا تو انہوں نے اسکو بطور سزا بیس کوڑے لگوائے۔

ایسی جھوٹی روایتوں کی حیثیت تو رائی کے دانے کے برابر بھی نہیں ہے ہاں اس من گھڑت روایت کے مقابلے میں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک معتبر روایت پیش کی ہے جو مندرجہ ذیل ہے:

قال ابن شوزب سمعت ابراھیم بن ابی عبد یقول سمعت عمر بن عبدالعزیز یترحم علی یزید بن معاویة (لسان المیزان ۶/۲۹۴)

ابن شوزب بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابراہیم ابن ابی عبد سے یہ بات سنی وہ کہتے ہیں کہ میں نے عمر بن عبدالعزیز کو یزید بن معاویہ پر ''رحمتہ اللہ علیہ'' کہتے سنا ہے۔

باتیں تو اور بھی ہیں اگر طوالت کا خوف دامن گیر نہ ہوتا تو وہ ضرور نوک قلم پر آتیں، لیکن مقصود چونکہ اصلاح ہے لہٰذا امید ہے کہ ان حقائق سے آنکھیں نہیں چرائی جائیں گی۔

قارئین کرام! اس سلسلے میں علامہ احسان الٰہی ظہیر شہید رحمۃ اللہ علیہ کی تالیفات اور خطبات، خصوصاً بیگم کوٹ لاہور کا خطبہ اور الشیخ حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ کی تالیف ''رسومات محرم الحرام او

سانحہ کربلا'' اور الشیخ عبدالسلام رحمانی رحمہ اللہ کی تصنیف ''محرم الحرام ومسئلہ سیدنا حسینؓ ویزید'' کا مطالعہ بھی کر سکتے ہیں۔ واقعہ کربلا، محرم الحرام کی تاریخی وشرعی حیثیت اور سیدنا حسین و امیر یزید جیسے موضوعات پر کئی مصنفین نے قلم اٹھایا لیکن واقعے کی اصل حقیقت، عاشوراء کی فضیلت اور مسئلہ سیدنا حسین وامیر یزید کی غیر جانبدارانہ تحقیق آپ کو صرف انہی کتابوں میں ملے گی واقعہ کربلا کے پس منظر میں یہ چند اوراق اس لئے سپرد قلم کیے گئے ہیں تا کہ لوگ اپنی نجات کی فکر کریں اور اس سلسلے میں عظیم المرتبت ہستیوں کے ایمان وایقان کو بازیچہ نہ بنائیں۔ علماء کی پیروی اور ان کے اقوال کی تابعداری چھوڑ کر اصل دین یعنی قرآن وحدیث کا مطالعہ کریں اس لئے کہ عروۂ وثقیٰ اور حبل اللہ یہی ہے۔

اور آخر میں پورے خلوص کے ساتھ بارگاہِ رب العزت میں دعا گو ہوں۔

محروم تماشا کو پھر دیدۂ بینا دے
دیکھا ہے جو کچھ میں نے اوروں کو بھی دکھلا دے